AUSTRALIAN JOURNAL OF HUMANITIES AND ISLAMIC STUDIES RESEARCH (AJHISR)
Vol.2, Issue 1, Jan-16 to Jul-16

QADIYANI'S METHODOLOGY OF TAFSEER IN THE FIXATION OF MEANING - AN ANALYTICAL STUDY

URDU - تعیینِ معنی میں قادیانیوں کا تفسیری منہج - تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ

Hafiz Muhammad Shahbaz Hassan,
Associate Professor, Islamic Studies Department, Engineering University, Lahore, Pakistan

Saifullah Bhutto
Assistant Professor, Dept. of Basic Sciences, Quaid-e-Awam university of Engineering, Science & Technology, Nawabshah, Sindh, Pakistan

ABSTRACT:
The Holy Quran, due to its unique style, eloquence and brevity has many distinctive miraculous features. These peculiarities can not be explained and elaborated without the skill and expertise in classical Arabic language. But it has to be kept in mind that though very important, language has a secondary rank in the deduction of commandments from Quran. The negative aspects related to deduction of meaning based on only language aspects and not the considering the other factors inappropriately neglects the following:

1. Fixation of meaning while considering the particular contexts.
2. Consideration and regard to the meanings of the words which were in use at the occasion of divine revelation of Quran (use of those words can possibly change over the centuries and what is important is referring to the classical Arabic).
3. Consideration towards understadnig the distinction between the actual meaning and the metaphorical meaning.
4. Prefering the rational meaning of the words which can have various different meanings.
5. Understanding the meaning in the light of interpretation provided by the Prophet ﷺ himself and his blessed companions

We see that these prime pattersn of driving the correct meaning of Quranic verses are missing in the Qadyani methodology of Quranic exegesis and in their other books. This paper elaborates these and other relevant aspects in detail while providing detailed evidences and examples.

KEY WORDS: Qadiyani, Methodology of Tafseer, context, Fixation of meaning, actual meaning, metaphorical meaning, rational meaning, premise of Arabic Language.

برصغیر میں معروف لغوی تفسیری رجحانات سے انحراف کا باقاعدہ آغاز عبداللہ چکڑالوی (م ۱۹۱۸ء) سے ہوا۔ اس کی تفسیر تفسیر القرآن بآیات الفرقان کے نام سے طبع ہوئی۔ اس کے ایک معاصر خواجہ احمد دین امرتسری نے تفسیر بیان للناس لکھی۔ ان کے بعد مولوی عبدالخالق نے بلاغ

القرآن ۱۹۲۳ء- ۱۹۲۵ء تک جاری کیا، جس میں اسی قسم کی تفسیر ہوتی۔انہی کے ہم عصر مولوی محمد رمضان اوران کے صاحبزادے نے دروس قرآن اور لوگوں سے مناظرے کر کے اس فکر کو آگے بڑھایا۔اسی طرح کی تفسیر کا سلسلہ غلام احمد پرویز نے جاری کیا۔

قدیم مفسرین نے لغت سے تفسیر کرتے وقت اس بات کو ملحوظ خاطر رکھا ہے کہ اس کو قرآن وحدیث اور فرامین صحابہ کے خلاف پیش نہ کیا جائے نیز قرآن وحدیث سے متعین ہونے والے معنی کو حتمی قرار دیا جائے۔سلف صالحین کے منہج تفسیر سے روگردانی کرنے والے بعض مفسرین نے قرآن کی تفسیر صرف اور صرف لغت عرب سے کی ہے اور انہوں نے متکلم قرآن کی مراد کا مطلق لحاظ نہیں رکھا۔

سلف صالحین کے منہج تفسیر سے روگردانی کرنے والے بعض مفسرین نے قرآن کی تفسیر صرف اور صرف لغت عرب سے کی ہے اور انہوں نے متکلم قرآن کی مراد کا مطلق لحاظ نہیں رکھا۔انہوں نے اس بات کو نظرانداز کر دیا کہ جس ہستی پر یہ قرآن نازل ہوا ہے اس نے الفاظ قرآنیہ کا کیا معنی ومفہوم متعین کیا ہے نیز قرآن کے اولین مخاطب قرآنی الفاظ سن کر ان الفاظ سے کیا مراد لیتے تھے یا اگر انہوں نے عہد نزول قرآن کے معانی الالفاظ کی پاسداری کی بھی تو سیاق وسباق سے کاٹ کر معنی متعین کر لیا۔محض لفظ کے لغوی معنی پر تکیہ کر کے بیٹھ جانا اور متکلم قرآن کے مقصد اور سیاق وسباق سے غافل ہو جانا لغوی تفسیر کے بنیادی اصول سے انحراف کی راہ ہے۔دلیل ومدلول میں عدم مطابقت اور الفاظ ومعنی کے باہمی تعلق سے آنکھیں بند کر لینا غلط انداز تفسیر ہے۔

سیاق وسباق سے معنی کی عدم تعیین

عبارت میں آنے والے مشترک الفاظ کے معانی میں سیاق وسباق کی مدد سے حقیقی مراد کا تعین کیا جاسکتا ہے۔سیاق وسباق بہت حد تک مرادی معنی تک پہنچانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔سیاق وسباق کو مد نظر رکھنا ایک ایسا موقف ہے کہ نظریاتی طور پر اس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اوران کی ''امت'' اپنے مخصوص اعتقادات ونظریات وفات مسیح،اجرائے نبوت وغیرہ کو ثابت کرنے کے لیے بہت کھینچا تانی کرتی ہے۔آیات کا سیاق دیکھتے ہیں نہ سباق۔ان کو اپنے معتقدات کے حق میں دلیل نکالنا ہی مقصود ہوتا ہے۔جو مسلمان وفات مسیح کے قائل نہیں ہیں انہیں کوستے ہوئے سید طفیل محمد شاہ احمدی لکھتے ہیں:

''اس مقدمہ میں مدعی سست گواہ چست والی مثال صادق آتی ہے یعنی خود مسیح علیہ السلام تو وعدہ متوفیک کے ایفائے اقرار کرتے ہیں۔مگر یہ چست گواہ انکار کرتے ہیں۔حضرت مسیح فرماتے ہیں : {كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ} میں ان کے اوپر (قوم نصاریٰ پر) شاہد تھا جب تک میں قوم میں رہا{فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ}* پس جب تو فی کیا تو نے مجھ کو تو تھا تو ہی نگران اوپر ان کے اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح (علیہ السلام) سے توفی یعنی موت طبعی کا وعدہ کیا تھا(اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ) اسی وعدے کے مطابق آپ وفات پاگئے چنانچہ قیامت کے دن خدا کے حضور اپنی قوم کے بگڑنے کے متعلق اپنی لاعلمی کی وجہ اپنی موت ہی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب میں قوم میں سے توفی ہو کر جدا ہو گیا تو پھر مجھے ان کے بگڑنے اور مجھے معبود بنائے جانے کا علم نہیں ہے۔{فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ} جب تو نے مجھے توفی کر دیا اور میری قوم میری نگرانی میں نہ رہی {كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ} اور تیری نگرانی میں آگئی تو پھر مجھے ان کے بگڑنے کا کیا علم ہو سکتا ہے۔

اسی کی مزید تشریح میں لکھتے ہیں:

''اگر بخیال غیر احمدی صاحبان حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) دوبارہ دنیا میں آکر قوم کو بگڑی ہوئی دیکھ لیں اور پھر قیامت کے دن خدا کے حضور اپنی لاعلمی کا اظہار کریں تو یہ بیان آپ کا جھوٹ ہو گا جو نبی کی شان کے خلاف ہے پس توفی سے آپ کی علیحدگی ایک مستقل طور پر یعنی وفات پر قوم سے علیحدگی ہے جس کے بعد وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتے تب ہی تو وہ یہ بیان دیں گے کہ مجھے قوم کے بگڑنے کا کوئی علم نہیں۔'' [۲]

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ۳ کا سیاق وسباق اگر نظرانداز نہ کیا جاتا تو بات پوری طرح واضح تھی کہ یہ روز قیامت کا بیان ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ عذاب و مغفرت کا حتمی فیصلہ روز قیامت ہی کیا جائے گا، آیت زیر بحث کے متصل بعد عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۴

اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۵

"آج وہ دن ہے کہ راستبازوں کو ان کی سچائی فائدہ دے گی ان کے لیے ایسی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ابدالآباد ان میں بستے رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں، یہ بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخرت کا بیان ہے بالخصوص ھذا یوم کے الفاظ قابل غور ہیں جس بات میں اختلاف ہے وہ تو یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو چکا ہے یا نہیں۔ آیت زیر بحث سے ان کی وفات مزعومہ کا ثبوت موجود نہیں۔ ہاں نزول کے بعد ان کا وصال ہو گا جس کا کوئی بھی مسلمان منکر نہیں۔ اور جب عیسیٰ علیہ السلام فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کہیں گے اس وقت ان کی وفات ہو چکی ہو گی جس میں کوئی اشکال نہیں۔

"نبوت بند ہونے کا اعتقاد گمراہی ہے" کے عنوان کے تحت سید طفیل محمد شاہ احمدی قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ کو اجرائے نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں:

وَلَقَدْ جَآءَکُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِیْ شَکٍّ مِّمَّا جَآءَکُمْ بِهٖ حَتّٰۤی اِذَا هَلَکَ قُلْتُمْ لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا☆اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے متعلق بھی لوگوں نے یہ اعتقاد بنا لیا تھا کہ اب ان کے بعد خدا کوئی رسول مبعوث نہیں کرے گا۔ لیکن خدا نے ایسا اعتقاد رکھنے والوں کو مسرف اور مرتاب اور گمراہ قرار دیا ہے۔ ایسا کہنے والے لوگ متکبر اور سرکش ہوتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کے جوئے سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ اور ہوائے نفس کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔" ۶

اس آیت سے استدلال بالکل ہی مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ مسلمان حضرت یوسف علیہ السلام کو آخری نبی نہیں مانتے۔ ان کے بعد بھی کثیر نبی آئے اور یہ نکتہ محل بحث نہیں ہے۔ محل بحث تو خاتم النبیین ﷺ کے بعد اجرائے نبوت ہے۔ اور یہ آیت قطعاً اس کی دلیل نہیں۔ مولانا حنیف ندوی لکھتے ہیں:

قرآن حکیم یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قوم نے نہ صرف یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام بلکہ جب ان کا انتقال ہوا تو خوش ہو کر کہا کہ چلو چھٹی ہوئی اب تو کوئی رسول نہیں آئے گا جو ہمیں ہمارے گناہوں پر ٹوکے اور ہماری خواہشات کے خلاف رشد و ہدایت کی راہوں پر ڈالے یعنی ان کی خواہش از راہ کفر و انکار یہ تھی کہ اللہ کا کوئی رسول آئندہ نہ آنے پائے اور ہماری از راہ ایمان یہ ہے کہ نبوت کے دروزے بند ہو چکے ہیں اور اس لیے اب کوئی جعلساز ہماری سمع خراشی نہ کرے داعیات کفر و انکار اور داعیاتِ ختم و تکمیل میں بڑا فرق ہے۔ ۷

کچھ اسی قسم کا استدلال آیت کریمہ : {یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ}☆ سے بھی کیا جاتا ہے۔ طفیل شاہ احمدی لکھتے ہیں:

"اے انسانو! تم میں آئندہ رسول آتے رہیں گے۔ جو کہ تم پر میری آیات پڑھیں گے ان کا انکار مت کرنا۔ قرآن کریم نے نوعِ انسانی کی بہتری کے لیے آئندہ نبیوں کی آمد کو بطور خوشخبری کے بیان فرمایا۔ اسی لیے مضارع بانون ثقیلہ کا صیغہ رکھا۔ یہاں قرآن سے ناواقف بنی آدم کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس سے مراد نزول قرآن سے پہلے کے لوگ ہیں گویا ان کے خیال میں نزولِ قرآن سے بعد کے لوگ بنی آدم سے خارج ہیں اگر یہ لوگ بنی آدم سے خارج ہوں تب تو بے شک ان کا یہ استدلال ٹھیک ہے ورنہ ان کو فیضان نبوت محمدیہ کا قائل ہونا چاہیے۔" ۸

جب سلسلہ ارسال انبیاء ورسل موقوف نہیں ہوا تھا تب تو یہی بات تھی کہ رسول آئیں گے مگر جب محمد رسول اللہ ﷺ کو کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا اور رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا کی حیثیت سے بھیجا گیا تو مزید انبیاء ورسل ارسال نہ کیے جانے کی بات کی گئی۔ مگر اس قسم کے استدلال کرنے والوں کو صاحب "زجاجہ" قرآن سے ناواقف قرار دیتے ہیں۔ اور ان پر یہ پھبتی کستے ہیں کہ "گویا ان کے خیال میں نزول قرآن سے بعد کے لوگ بنی آدم سے خارج ہیں۔" اگر بنی آدم کے مفہوم میں اس قدر ہی عمومیت پائی جاتی تھی تو کیا پھر نبیوں کو بنی آدم سے خارج قرار دینا پڑے گا کیونکہ نبی تو خود بنی آدم کی طرف آتے رہے ہیں۔ یا پھر یہ کہا جائے گا کہ مرزا صاحب کے "مبعوث" ہونے کے بعد لوگ بنی آدم سے خارج ہو گئے ہیں؟ یا ان کو "فیضان نبوت محمدیہ" کی ضرورت نہیں رہی! حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی آیات میں بنی آدم کے لیے بنیادی تعلیمات کا بیان ہے۔

کے معنی میں لے کر اجرائے (Future) اسی طرح سیاق وسباق کو نظر انداز کرتے ہوئے یجتبی اور یصطفی مضارع کے صیغوں کو مستقبل نبوت پر استدلال کیا گیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

دوسری دلیل {وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ} ☆ دیکھیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کس وضاحت کے ساتھ رسولوں کی آمد کی بشارت دی ہے بلکہ ان پر ایمان لانا بھی ضروری اور واجب قرار دیا ہے۔ علامہ ابو حیان اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

كما ذكر انه تعالىٰ يختار من رسله من يشاء فيطلعه على المغيبات امربا لتصديق بالمجتبى۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں رسولوں کو منتخب کروں گا تو {اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ} میں ان کی تصدیق اور ماننے کا حکم بھی فرمایا۔" ۹

مذکورہ بالا آیت کا سیاق فعل مضارع کے حال کے معنی کی دلیل ہے۔ رسولوں کو منتخب فرماؤں گا" کی کوئی دلیل سیاق آیت میں موجود نہیں، مولانا حنیف ندوی لکھتے ہیں:

اس میں مدینہ کے منافقین کا تذکرہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ تمہارا خلاملا مسلمانوں کو ہمیشہ دھوکہ دے سکے گا اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ پاکباز" گروہ اور خبث باطن رکھنے والے آخر کار جدا جدا نظر آئیں، چنانچہ خود تمہارے اعمال، جیسے جہاد سے تخلف، یا جذبہ جہاد سے محرومی وغیرہ ایسی باتیں ہیں کہ جو تمہیں عام مسلمانوں سے ممیز کر کے رہیں گی، باقی رہا یہ کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ تم میں سے ایک آدمی کا نام لے کر کیوں نہیں بتاتا کہ فلاں فلاں منافق ہے تو اس لیے کہ یہ جاننا صرف انبیاء علیہم السلام کا کام ہے تمہارا نہیں۔ تمہارے لیے تو یہی زیبا ہے کہ بغیر غیب کی ٹٹول کے اللہ کے نبیوں پر ایمان لاؤ اور نفاق سے احتراز کرو اور یہ فرمایا کہ " اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے انتخاب فرمالیتا ہے" تو یہ کوئی اصول نہیں بلکہ سابقہ عادت کی حکایت ہے اس طرح یہ بتانا یہ مقصود ہے کہ آنحضرت کو ماننا نہیں، بلکہ متضمن ہے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کو" ۱۰

اسی طرح کا قادیانیوں کا استدلال یصطفی سے ہے:

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ☆ "اللہ تعالیٰ رسول منتخب کرتا رہے گا فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔"

تعجب ہے کہ منکرین فرشتوں کے رسول بننے کو تو ہمیشہ کے لیے مانتے ہیں، آیت کے دوسرے حصے کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مضارع کا صیغہ لا کر واضح کر دیا ہے کہ رسالت کا سلسلہ پیچھے نہیں رہ گیا بلکہ آگے بھی جاری ہے۔" ۱۱

فرشتوں کے رسول بننے کو کوئی بھی مسلمان ہمیشہ کے لیے نہیں مانتا۔ یہ بناء فاسد علیٰ فاسد ہے۔ ملائکہ جو پیغام رسولوں پر لاتے رہے ہیں وہ ختم ہو گیا ہے۔ محلِ وحی ہی باقی نہیں رہا۔ پھر یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ پیغمبروں کی طرح فرشتے پیغمبر نہیں ہیں کہ ان پر ایک جیسا حکم لگایا جائے۔ فرشتے کسی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر نہیں بھیجے گئے اور نہ وہ پیغمبر ہو ہی سکتے ہیں۔ ورنہ مشرکین فرشتوں کا مطالبہ نہ کرتے۔

جن آیات سے اجرائے نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے ان کی حیثیت اور نوعیت بیان کرتے ہوئے مولانا حنیف ندوی لکھتے ہیں:

''ان آیتوں کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ ان میں کہیں یہ موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بعد بھی رسالت کا باقاعدہ سلسلہ جاری ہے، یا وحی والہام کے کواڑ کھلے ہیں۔ ہم نے عرض کیا تھا کہ دعویٰ و دلیل میں مطابقت ہونا چاہیے اور استدلال واستنباط کی اس ہمہ گیر لغزش سے بچنا چاہیے کہ عمومات سے مخصوص و متعین دعویٰ ثابت کیا جائے۔ بات بالکل واضح ہے اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی انسان کو دین کی جامعیت واکملیت کا اطمینان حاصل نہ ہو اور وہ برابر نئی نبوتوں اور رسالتوں کا منتظر رہے یا دین کا مزاج ہی ایسا ہے کہ ہر ہر آن میں اس میں تغیر و تبدیلی کی گنجائش نکلتی رہتی ہے تو اس کو بڑی وضاحت اور تعین کے ساتھ قرآن میں مذکور ہونا تھا۔ ظل و بروز کے چور دروازوں کی حاجت نہیں۔ جہاں ختم نبوت کی کھلی کھلی آیتیں ہیں وہاں اجرائے نبوت کی آیتیں بھی اتنا ہی بین اور واضح ہونا چاہئیں تھیں۔ بلکہ صحیح موقف تو یہ ہے کہ ختم نبوت اور اس کے متعلقات کو اور ان تمام پیرا یہ بیان کو ہونا چاہیے تھا جن سے ختم نبوت کا مسئلہ پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے۔'' ۱۲

اس قسم کے اور بھی بہت سے استدلال ہیں جو نہ صرف سیاق وسباق کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہیں بلکہ لغت کے بھی خلاف ہیں۔ مزید برآں صورت وہ بہت سے صحیح اور صریح دلائل سے بھی متصادم ہو جاتے ہیں۔

وَ وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوٗدَ ۱۳ میں وراثت کا تعیّن سیاق وسباق سے کیا جا سکتا ہے۔ قادیانیوں کا اس آیت کی روشنی میں دعویٰ ہے کہ ''نبیوں کی اولاد ان کی شخصی ملکیت کی وارث ہوتی ہے۔'' ۱۴ اور دلیل کے طور پر اسی آیت کو پیش کرتے ہیں۔

اس سے مراد نبوت اور بادشاہت کی وراثت مراد ہے جس کے وارث صرف سلیمان علیہ السلام قرار پائے ورنہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اور '' بھی بیٹے تھے جو اس وراثت سے محروم رہے'' ۱۵

اگر مال و دولت کی وراثت ہوتی تو باقی بیٹوں کو بھی حصہ ملتا۔ وَ وَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوٗدَ کا سیاق وسباق بھی علم و حکومت سے متعلق ہے۔

مزید برآں احادیث میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ تمام انبیاء کا خاصہ ہے کہ ان کا ذاتی مال ترکہ نہیں صدقہ ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لا نورث ما ترکنا صدقة ۱۶

''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ (مال و دولت) ہم چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یقتسم ورثتی دینارا ما ترکت بعد نفقة نسائی و مؤونة عاملی فهو صدقة ۱۷

''میرا ورثہ دینار کی صورت میں تقسیم نہیں ہوگا، میں نے اپنی بیویوں کے خرچہ اور اپنے عاملوں کی اجرت کے بعد جو کچھ چھوڑا ہے وہ سب صدقہ ہے۔''

بالخصوص مذاہب باطلہ (قادیانیت، عیسائیت وغیرہ) کے رد میں آپ نے سیاق وسباق کو نمایاں کیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۱۸

''تو کیوں نہ کوئی بستی ایمان لائی ہوتی جس کو ایمان سے نفع بھی ہوتا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لا چکے تو ہم نے یہ ذلت کا عذاب اس سے دنیا میں دور کر دیا اور ایک وقت تک ان کو آسودگی سے متمتع کیا۔''

مرزا قادیانی کی تحدیانہ پیش گوئیاں جب غلط ہو گئیں تو اس نے یونس علیہ السلام کی قوم کا سہارا لیا۔ اس کے پیروکار بھی اسی کا سہارا لیتے ہیں کہ قوم یونس علیہ السلام کو عذاب کا وعدہ دیا تھا مگر ان کے ڈر جانے سے عذاب ٹل گیا۔ اسی طرح مرزا صاحب نے بھی جس جس کے بارے میں موت کی

پیش گوئی کی تھی اس کے ڈر جانے سے اگر ٹل گیا تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ مفسر موصوف اس کے جواب میں سیاق وسباق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''ایسا کہنا سیاق قرآنی کے صریح خلاف ہے۔ قرآن مجید کی اسی آیت میں صاف مذکور ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم جب ایمان لائی تو ان پر سے کفر کی سزا ہٹ گئی تو یہ بدیہی ہے کہ ایمان لانے کے معنے یہ ہیں کہ اس نبی کو خدا کا مرسل سمجھیں اور اس کی مخالفت چھوڑ کر اس کا اتباع کریں۔ ہم مانتے ہیں کہ ایسا ایمان موجب نجات ہوتا ہے لیکن کیا مرزا صاحب کے مخالف جن کے حق میں ان کی پیشین گوئیاں تھیں، ایسا ایمان لائے کیا عبداللہ آتھم (عیسائی) ایمان لایا تھا؟ کیا منکوحہ آسمانی کا نکاح اپنے فعل سے تائب ہوا تھا؟ وغیرہ، ہر گز نہیں۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کے قصے کو کیا تعلق؟ جو کچھ اس قصے میں ہے ہمیں مسلم ہے اور جو ہے وہ ان کو مفید نہیں بلکہ مضر ہے۔'' ۱۹

لغت عرب، فہم عرب اور عہدِ نزولِ قرآن کے معانی الالفاظ کا عدم لحاظ

الفاظ قرآنیہ کا حقیقی معنی و مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ لغت عرب اور عصر نزول القرآن کے معانی الالفاظ کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ لغتِ متغیر اور تطور شدہ لغت کی مدد سے اگر الفاظ قرآنی کا معنی متعین کیا جائے تو مراد متکلم کے خلاف ہو سکتا ہے۔ اگر صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ نے متکلم قرآن کی مراد کی تعیین کر دی ہو تو محض لغت عرب کی بنا پر، یا اس کے کم فہم کی بنا پر، ایک نیا معنی تجویز کرنا جہل کا ثبوت ہے۔

حیات ووفات مسیح، رفع ونزول مسیح اور ختم نبوت ودیگر اس قسم کے عقائد میں قادیانیوں/مرزائیوں بلکہ خود مرزا صاحب نے لغت عرب اور فہم عرب سے انحراف کیا ہے۔ مثلاً تمام قادیانی مرزا غلام احمد سمیت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آنے والے لفظ رفع سے مراد رفع درجات مراد لیتے ہیں۔ سید طفیل محمد شاہ احمدی لکھتے ہیں:

''رفع کے معنی رفع درجات کے ہیں نہ کہ رفع جسم۔ ان معنوں کی تائید قرآن شریف فرماتا ہے۔ چنانچہ جتنی جگہ رفع کا لفظ آیا ہے سب جگہ رفع درجات کے معنوں میں آیا ہے۔ دیکھیے {وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا}☆ب، {وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا}☆ا، {نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ}☆ب، {اَنْ تُرْفَعَ}☆ج، {يَرْفَعُهٗ}☆د، {رَّافِعَةٌ}☆ھ، {مَرْفُوْعَةٍ}☆و'' ۲۰

(Preposition) یہ سارے دلائل غیر متعلق ہیں۔ یہ دعویٰ کو قطعاً ثابت نہیں کرتے۔ کیونکہ دلیل وہ چاہیے تھی جس میں رفع کے بعد الی ہوتا۔ اس لیے کہ بحث {بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ} ۲۱ کی ہو رہی ہے جس کا معنی ہے: ''بلکہ اسے (عیسیٰ علیہ السلام) اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا۔'' عربی لغت میں کوئی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی جس میں **رفع الی** کا معنی درجات بلند کرنا ہو۔

پھر موصوف نے جو آیات پیش کی ہیں ان سب آیات میں رفع درجات مراد ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر رفع کا معنی رفع درجات ہو تو پھر نرفع درجات کا موصوف کیا ترجمہ کریں گے یعنی ترجمہ یوں بنتا ہے، نرفع درجات: بلند کریں گے ہم درجات درجات۔ اس معنی سے جملہ بھی بگڑ جاتا ہے۔

ترفع کا لفظ مساجد کے بارے میں ہے جس سے مراد 'اونچا کرنا' زیادہ واضح ہے۔ یرفعہ میں یرفع کا لفظ عمل صالح کے لیے آیا ہے تو کیا عمل صالح کے بھی درجات بلند کیے جاتے ہیں۔ اس سے مراد اصل میں عمل صالح کا اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھنا ہے۔ اس جملے سے پہلے آنے والے الفاظ الیہ یصعد الکلم میں یصعد کا لفظ بھی بلندی درجات کی نفی کر رہا ہے اسی طرح مرفوعۃ کے لفظ سے رفع درجات مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ یہاں قرآن مجید کا بیان ہے جو آسمانوں پر فرشتوں کے حوالے کیا گیا وہ واقعتاً مرفوعۃ بلند مقام پر رکھے ہوئے صحیفے ہیں۔

سورۃ الغاشیہ میں تو مرفوعۃ کا لفظ سرر (چارپائیاں، تخت) کی صفت کے طور پر آیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۲۲ ''اس (جنت) میں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے۔''

مرزاغلام احمد قادیانی نے بل رفعہ اللہ سے مراد ''عزت کے ساتھ موت'' لیا تھااور تائید کے طور پر ادریس علیہ السلام کے بارے میں {وَّ رَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا}۲۳ کو پیش کیا تھا۔اس کے جواب میں قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری مرحوم نے مرزاصاحب کے لغوی تصرف کو واضح کرتے ہوئے لکھا:

آیت {وَّ رَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا}☆جو حضرت ادریس کی شان میں ہے۔وہ نہ ان مرادی معنی پر دلالت کرتی ہے۔اور نہ مرزاصاحب کے کچھ مفید ہی'' ہے۔کیونکہ یہاں رفع کا لفظ مَکَانًا عَلِیًّا سے مضاف ہے۔اور جس کے یہ معنی ہیں۔کہ رب کریم نے حضرت ادریس کو رتبہ علیا پر فائز کیااور منصب برتر پر ممتاز فرمایا۔ایسا ہی دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَ رَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰت ☆۱

''یہ رسول ہیں۔جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے۔اور بعض کے درجے ہم نے بلند کیے ہیں۔''

اس میں رفع کو درجات کی طرف مضاف کیا ہے۔پس واضح ہوا کہ مرزاصاحب نے یہ مرادی معنی تواللہ تعالیٰ کے مقصود(مطلوب)کلام کے خلاف کئے ہیں۔لہٰذا روشن ہوا۔کہ رفع کے معنی یہاں بھی وہی ہیں۔جو لغت میں ہیں اور جو ہر جگہ لیے اور سمجھے سمجھائے بولے جاتے ہیں یعنی بلند کرنا اب چونکہ یہاں رفع کا لفظ ہے۔اور وہ الیٰ کی طرف مضاف ہے۔تو صاف اور سیدھے معنی جن کو لغت کی امان حاصل ہے۔یہ ہیں۔کہ ہم نے عیسیٰ کو اپنی طرف اوپر اٹھالیا۔'' ۲۴

اگر {رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ}۲۵ میں رفع سے مراد ''عزت کے ساتھ موت'' ہو تو{اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ} ۲۶ میں متوفی سے موت مراد لے کر رافع سے ''عزت کی موت'' کیسے مراد لے لیں گے؟

اس طرح رفع کا جو معنی مرزاصاحب نے بیان کیا ہے اس کی روشنی میں {اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ } کا ترجمہ یوں بنتا ہے:

''میں آپ کو موت دینے والا ہوں اور آپ کو عزت کی موت دینے والا ہوں۔''

کوئی بھی سلیم العقل شخص اس ترجمہ کو درست نہیں مان سکتا،لہٰذا رفع کا مرزاصاحب کا بیان کردہ معنی باطل ٹھہرا۔پھر یہ بھی واضح رہے کہ

''رفع جسمی اور اعزاز میں مخالفت نہیں بلکہ یکجا جمع ہو سکتے ہیں ''۲۷

مرزا قادیانی اور دیگر قادیانی مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں وہ تقدیم وتاخیر مان کر قرآن کی ترتیب الٹتے ہیں جو کسی مسلمان کا کام نہیں۔طفیل شاہ احمدی لکھتے ہیں:

''ان علماء کی کس قدر دلیری ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب پر اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے۔''۲۸

جو علمائے کرام آیت کریمہ {اِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ وَ مُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ}۲۹ میں متوفی سے وفات بمعنی موت لیتے ہیں وہ متوفیک اور رافعک الی میں تقدیم وتاخیر کے قائل ہیں ان پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ قرآن کی ترتیب پر اعتراض کرتے ہیں۔حالانکہ وہ تفسیر کے اعتبار سے رفع کو پہلے اور وفات کو بعد میں مانتے ہیں۔

یہ بات مسلم ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں آتی بلکہ عطف وجمع کے لیے آتی ہے،اس کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں مثلاً

وَ اسْجُدِیْ وَ ارْکَعِیْ ۳۰ حالانکہ سجدہ رکوع کے بعد ہوتا ہے مگر اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔

اسی طرح فرعون کے بارے میں ہے:{فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی}۳۱

کیا مرزائی آخرت کو دنیا سے پہلے مانتے ہیں یا ان پر بھی ترتیب الٹنے کا اعتراض ہو سکتا ہے؟

ایسے ہی دیکھیے ارشادِ الٰہی: {خَلَقَکُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ}۳۲ جن کو پہلے پیدا کیا تھا ان کا ذکر بعد میں کیا۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ۳۳ حالانکہ حیات کے بعد موت ہوتی ہے۔

نیز دیکھیے {وَلَقَدْ اُوحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ}۳۴

ان آیات کریمہ میں واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے۔ کسی حکمت کی خاطر بعد والی چیز کا تذکرہ پہلے کر دیا جاتا ہے۔۳۵

اگر آیت زیر بحث میں واؤ ترتیب کے لیے بھی مان لی جائے تو بھی قادیانیوں کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ مناظر اسلام مولانا منظور احمد چنیوٹی فرماتے ہیں:

''اگر بالفرض زیر بحث آیت میں بقول مرزا بیانِ ترتیب بھی مان لیں گے پھر بھی اس کا مزعومہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مرزا قادیانی کی تفسیر کے مطابق ترجمہ یوں ہوگا: ''اے عیسیٰ! میں تجھے پہلے موت دینے والا ہوں اس کے بعد تیرا روحانی رفع یا رفع درجات کروں گا، اس کے بعد تجھے کافروں سے پاک کروں گا اور اس کے بعد تیرے متبعین کو تیرے دشمنوں پر غالب کروں گا۔''

اب مرزائیوں کے خیال کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کشمیر کی طرف ہجرت کرنے کے بعد تطہیر یعنی واقعہ صلیب سے ۸۷ سال بعد کشمیر میں ہوئی گویا کہ مطھرک من الذین کفروا کا وقوع پہلے اور موت و رفع بعد میں ہوا۔ حالانکہ ترتیب آیت میں یہ چیز تیسرے نمبر ہے، لہٰذا مرزائیوں کے مطابق بھی آیت اپنی ترتیب پر باقی نہ رہی اور ہم پر عدم ترتیب کا اعتراض کرنا سراسر فضول ہو گیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔۳۶

آیت کی ترتیب اور تقدیم ما حقہ التاخیر کی توجیہ پیش کرتے ہوئے مولانا چنیوٹی لکھتے ہیں:

''اور آیت بالا میں لفظی ترتیب نہ ہونے کا اصل اور تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائی اور یہودی دونوں افراط و تفریط کا شکار ہوئے۔ اگر ایک جانب عیسائیوں نے انھیں درجہ معبودیت تک پہنچا دیا تو یہودیوں نے ان کی رسالت و نبوت تک کو تسلیم نہ کر کے ان کی سخت توہین و تذلیل کا ارتکاب کیا۔ قرآنِ کریم اس آیت میں ان دونوں کے عقیدوں کی تردید کر دینا چاہتا ہے۔ سب سے پہلے مُتَوَفِّیْکَ اس لیے لایا گیا تاکہ عیسائی غور کر سکیں کہ جس پر موت آ سکے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور اس کے معاً بعد وَرَافِعُکَ اِلَیَّ لا کر یہ بتا دیا گیا کہ یہودیوں کا ان کی شان میں گستاخی کرنا سراسر ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی رسالت و نبوت کی بنا پر انھیں اپنے پاس بلا لیا۔ یہ ان کی مقبولیت عند اللہ کی کھلی دلیل ہے، لہٰذا عیسائیوں کو ان کے خدا ہونے کا اور یہودیوں کو ان کے کمتر ہونے کا عقیدہ ترک کر دینا چاہیے' اور افراط اور تفریط چھوڑ کر اعتدال کا راستہ اپنانا چاہیے۔ اور چونکہ شرکِ خداوندی گستاخیٔ رسول سے بڑا جرم تھا اس لیے تردید کرتے وقت بھی اس کا لحاظ کیا گیا اور مُتَوَفِّیْکَ کو پہلے ذکر کیا گیا ہے۔''۳۷

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُل۳۸ سے بھی مرزائی مرزا سمیت وفات مسیح پر استدلال کرتے ہیں۔ خلت کا معنی ''فوت ہو گئے'' { لیتے ہیں۔ قاضی سلیمان سلمان منصوری پوری اس معنی کو خلاف لغت عرب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قابل غور یہ ہے کہ ترجمہ میں یہ الفاظ ''ان سے پہلے سب نبی فوت ہو گئے ہیں۔'' قرآن مجید کے کن الفاظ کا ترجمہ ہیں۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ {قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ} کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر مرزا صاحب براہ نوازش کسی لغت کی کتاب میں یہ تو دکھلائیں۔ کہ خَلَتْ یا خَلَا بمعنی موت زبان عرب میں آیا بھی ہے؟ آپ اس جگہ صرف اپنے دعویٰ کی تائید میں ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خواہ لغت اور محاورہ آپ کے ترجمہ کی غلطی کو صاف ظاہر کر رہا ہو۔ مگر آپ کو اس کی ذرا پرواہ نہیں' اچھا صاحب۔ اگر خلت کے معنی فوت ہو جانا ہی ہیں۔ تو آپ اس آیت {سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیْ قَدْ

خَلَتْ مِنْ قَبْلُ}☆کا کیا ترجمہ کرتے ہیں۔کیا یہی کہ وہ سنت الٰہی ہے جو تم سے پہلے فوت ہو چکی ہے اگر آپ ایسا ترجمہ کریں گے۔تو آیت ہذا کے ساتھ ملے ہوئے الفاظ{وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا} آپ کے اس ترجمہ کی سخت تکذیب کریں گے۔"۳۹

لغوی وضاحت کرتے ہوئے قاضی منصور پوری رقمطراز ہیں:

واضح ہو کہ خَلَتْ کا مصدر خَلَوٌ ہے۔اور چند معنی میں مستعمل ہے:

(۱) ۔جدا ہونا یا تنہا ہونا، چنانچہ اس آیت میں ہے:{وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ}☆ "جب ایک دوسرے کے پاس سے تنہا ہوتے ہیں۔"

(۲)۔ہوتے رہنا، چنانچہ اس آیت میں ہے: {وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ}☆ا"کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا ہوا ہے۔"اور اس آیت میں ہے:{قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ}☆ب"تم سے پہلے کئی دستور ہوتے رہے ہیں۔"

(۳)۔چلے آنا، چنانچہ اس آیت میں ہے:{سُنَّةَ اللهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ}☆ج"یہ سنت الٰہی ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے۔"

پس {قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ}کا صحیح ترجمہ یہ ہے:"ہوتے رہے ہیں ان سے پہلے رسول۔

مزید لکھتے ہیں:

"یہ یاد رکھو کہ خَلَا اور خَلَتْ لغت میں زمانہ کی صفت کے لیے آتا ہے۔دیکھو قرون خالیہ۔مثلاً عرب بولتے ہیں۔خَلَتْ یا خَلَوْنَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ (رمضان کی فلاں تاریخ گزری)اور اہل زمانہ کے لیے مجازاً۔اور اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔کہ خَلَتْ کا سیدھا اثر رسالت پر ہے نہ رسولوں کے وجود پر۔لہٰذا آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی بہت رسول رسالت کر چکے ہیں۔تبلیغ احکام رسالت کر چکنا متضمن اس امر کا نہیں کہ سب کے سب مر بھی چکے ہیں۔گو ان میں سے اکثر مر بھی چکے ہوں۔" ۴۰

حقیقی اور مجازی معنی مراد لینے کے اصول سے انحراف

یہ اصول تمام مفسرین اور علماء اسلام کے نزدیک تسلیم شدہ ہے کہ الفاظ کا حقیقی معنی متعذر ہو تو تب مجازی معنی مراد لیا جاتا ہے بصورت دیگر حقیقی معنی ہی درست ہوتا ہے۔حقیقی معنی متعذر ہونے کی تین صورتیں بعض علماء نے ذکر کی ہیں۔مفتی تقی عثمانی صاحب نے مندرجہ ذیل تین صورتیں بیان کی ہیں:

ا۔حقیقی معنی عقلی طور پر یا قطعی مشاہدے کی رو سے ممکن نہ ہوں۔

۲۔عرف اور محاورے کے اعتبار سے اس لفظ یا جملے کے حقیقی معنی متروک ہو گئے ہوں۔

۳۔عبارت کے سیاق وسباق میں کوئی قرینہ ایسا ہو جو حقیقی معنی کو اختیار کرنا ناممکن بنادے۔۴۱

ہے کہ اس کی معقولیت سے انکار ممکن نہیں۔اسے ملحوظ رکھے (Self evident) حقیقی ومجازی معنی کا مذکورہ بالا اصول متفقہ ہے اور ایسا بدیہی بغیر کسی کی بات کو بھی درست طور پر سمجھنا ممکن نہیں۔

خاتم اور آخر کے حقیقی معنی مراد لینے کی بجائے مرزائی اور قادیانی ان الفاظ کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں یعنی بہتر اور افضل۔کیونکہ اگر آخری مراد لیا جائے تو مرزا صاحب کی نبوت کے ثبوت میں یہ معنی بھی رکاوٹ بنتا ہے۔طفیل محمد شاہ احمدی لکھتا ہے:

"حضور آخر الانبیاء افضل الانبیاء کے معنوں میں ہیں۔خاتم اور آخر کا ایک معنی علامہ محمد اقبال کے ایک اردو شعر کی روشنی میں متعین کرتے ہیں ؎

چل بسا داغؔ آہ! میت اس کی زیبِ دوش ہے

آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے ☆

اس اردو شعر سے استدلال کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''اس شعر میں ڈاکٹر صاحب نے داغ کو دہلی کا آخری شاعر قرار دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا دہلی میں داغ کے بعد کوئی شاعر نہیں ہوا۔'' خلاصہ کے طور پر لکھتے ہیں :

آخری اور خاتم کے معنی احادیث اور شعراء اور ادباء کے محاورے میں سب سے افضل ہونے کے ہیں لہٰذا آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء اور آخر الانبیاء بمعنی افضل الانبیاء ہیں۔''۴۲

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''عربی زبان میں خاتم کا لفظ سب سے افضل ہونے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ حسن بن وہب نے ابو تمام شاعر کو خاتم الشعراء قرار دیا ہے۔''۴۳

اس قسم کے استدلالات میں الفاظ کا حقیقی معنی مراد لینے کی بجائے مجازی معنی مراد لیا گیا ہے۔ مولانا عبداللہ معمار☆ لکھتے ہیں:

''یہ استعمال مجازی ہے۔ حقیقی معنی پہلے ہوتے ہیں۔ اگر وہ نہ ہو سکیں تو پھر مجازی۔ چونکہ یہاں حقیقت متعذر نہیں اس لیے وہی مراد ہو گی۔ مجاز کے لیے قرائن کی ضرورت ہے اور وہ یہاں نہیں ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ بے نظیر شاعر ہے۔ وہ بے نظیر ادیب ہے۔ یا لَانَظِیْرَ لَہٗ فِی الْاَخْلَاقِ کہ اخلاق میں اس کا کوئی نظیر نہیں۔ تو اس کے معنی عام طور پر یہی ہوتے ہیں کہ وہ دوسروں سے اچھا ہے اور اگر کوئی مخالف عیسائی کہے کہ پھر جب بے نظیر کے معنی اعلیٰ اور اچھے کے ہیں۔ تو جب خدا کو تم بے نظیر کہتے ہو اس کے یہ معنی کیوں نہیں ہو سکتے کہ وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ نہ یہ کہ وہ واحد محض ہے۔ تو ہم کہیں گے یہ استعمال مجازی ہے اور اللہ کے متعلق حقیقی۔ اس لیے کہ اس کا واقعی کوئی شریک نہیں۔ اسی طرح خاتم الشعراء وغیرہ میں استعمال مجازی ہے اور خاتم النبیین میں حقیقی یعنی آپ آخری نبی ہیں۔''۴۴

خاتم الشعراء، خاتم المحدثین اور آخر المجتہدین وغیرہ تراکیب میں خاتم اور آخر کا مجازی معنی افضل مراد لینے کا مولانا حنیف ندوی دو طرح سے جواب دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''بات زیادہ الجھاؤ کی نہیں، جواب کی ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ بااعتبار زاعم کے ہے یعنی جب ایک شخص کسی کو خاتم الشعراء کہتا ہے تو وہ واقعی یہ سمجھتا ہے کہ اس کے بعد شعر کہنا بے کار ہے ورنہ مدحت میں غلو جو مقصود اور مبالغہ کی جان ہے بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی طرح خاتم المحدثین اور آخر المجتہدین کے الفاظ استعمال کرنے والا یہی سمجھتا ہے کہ محدثیت واجتہاد کی یہ آخر کڑیاں ہیں ورنہ یہ ترتیب بے مزہ ہو گی۔ کیونکہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان الفاظ کے استعمال سے ایک گونہ فضیلت ثابت کرنا ہی مقصود ہے تو ان میں زور کیا خاک باقی رہے گا۔'' ۴۵

آخر المحدثین اور خاتم الشعراء وغیرہ القابات اور مجاز و حقیقت کا فرق بیان کرتے ہوئے مولانا ندوی لکھتے ہیں:

''اب یہ کہنے والا یا زاعم نہ تو پیغمبر ہے اور نہ یہ کوئی پیشین گوئی ہی ہے بلکہ مدح کا ایک انداز ہے، جو اختیار کیا گیا ہے۔ اس لیے اگر اس کے بعد بھی کوئی شخص شعر و سخن کے ذوق سے بہرہ مند ہو جاتا ہے یا محدثیت واجتہاد کی مسند پر بیٹھ جاتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ دوسرا انداز یہ ہے کہ مجاز و حقیقت کے استعمال میں فرق ہے، جب کوئی لفظ اپنے موضوع لہ معنوں میں استعمال ہو گا تو وہ حقیقی ہو گا۔ اور جب کسی مناسبت سے ہو ان معنوں میں استعمال نہ ہو سکے گا تو یہ مجاز ہو گا۔ مثلاً شیر کا ایک استعمال یہ ہے کہ وہ ایک درندے کا نام ہے۔ اور ایک یہ ہے کہ اس کے معنے بہادر شجاع کے ہیں۔ پہلا استعمال حقیقی ہے اور دوسرا مجازی۔'' ۴۶

حقیقی و مجازی معنی مراد لینے کا اصول بیان کرتے ہوئے مولانا ندوی موصوف لکھتے ہیں:

''پھر مجازی معنے وہاں مراد ہوتے ہیں جہاں حقیقت متعذر ہو جہاں یہ حال ہو کہ حقیقت کی تائید میں قرائن ہی نہیں، شواہد و دلائل کا ایک انبار ہو جیسا کہ آپ دیکھ چکے، وہاں مجازی معنوں کے لیے کوئی وجہ جواز ہی پیدا نہیں ہوتی۔''۴۷

خاتم الشعراء، خاتم الفقہا اور خاتم المفسرین جیسے القاب کے بارے میں سید مودودی لکھتے ہیں:

''کسی زبان میں بھی یہ قاعدہ نہیں ہے کہ اگر کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنی کے بجائے کبھی کبھی مجازاً کسی دوسرے معنی میں بولا جاتا ہو تو وہی معنی اس کے اصل معنی بن جائیں اور لغت کی رو سے جو اس کے حقیقی معنی میں ان میں اس کا استعمال ممنوع ہو جائے۔ آپ کسی عرب کے سامنے جب کہیں گے کہ ''جاء خاتم القوم'' تو وہ اس کا یہ مطلب ہر گز نہ لے گا کہ قبیلے کا فاضل و کامل آدمی آگیا، بلکہ اس کا مطلب وہ یہی لے گا کہ پورا کا پورا قبیلہ آگیا ہے حتیٰ کہ آخری آدمی جو وہ گیا تھا وہ بھی آگیا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ خاتم الشعراء، خاتم الفقہاء اور خاتم المحدثین وغیرہ القاب جو بعض لوگوں کو دیئے گئے ہیں ان کے دینے والے انسان تھے اور انسان کبھی یہ نہیں جان سکتا کہ جس شخص کو وہ کسی صفت کے اعتبار سے خاتم کہہ رہا ہے اس کے بعد پھر کوئی اس صفت کا حامل پیدا نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے انسانی کلام میں ان القاب کی حیثیت مبالغے اور اعتراف کمال سے زیادہ کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے متعلق یہ کہہ دے کہ فلاں صفت اس پر ختم ہو گئی تو کوئی وجہ نہیں، ہم اسے بھی انسانی کلام کی طرح مجازی کلام سمجھ لیں۔ اللہ نے اگر کسی کو خاتم الشعراء کہہ دیا ہوتا تو یقیناً اس کے بعد کوئی شاعر نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس نے جسے خاتم النبیین کہہ دیا، غیر ممکن ہے کہ اس کے بعد کوئی نبی ہو سکے اس لیے کہ اللہ عالم الغیب ہے اور انسان عالم الغیب نہیں ہیں۔ اللہ کا کسی کو خاتم النبیین کہنا اور انسانوں کا کسی کو خاتم الشعراء اور خاتم الفقہاء وغیرہ کہہ دینا آخر ایک درجہ میں کیسے ہو سکتا ہے؟'' ۴۸

ایک حدیث مبارکہ سے بھی آخر کو بمعنی افضل لیا جاتا ہے۔ طفیل شاہ احمدی لکھتے ہیں:

انا آخر الانبیاء و مسجدی آخر المساجد۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جن معنوں میں میری مسجد آخری مسجد ہے انہی معنوں میں میں آخر الانبیاء ہوں۔ یہ نہیں کہ آپ کی مسجد کے بعد اور مسجدیں بند ہو گئیں بلکہ آپ کی مسجد بلحاظ افضل ہونے کے آخری مسجد ہے۔ اسی طرح آپ انبیاء میں افضل ہیں۔''۴۹

یہ استدلال غلط ہے کیونکہ حدیث زیر بحث انی أخر الانبیاء و مسجدی أخر المساجد ۵۰ میں أخر المساجد سے مراد انبیاء کی آخری مسجد ہے۔ اس کی وضاحت مندرجہ ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

انا خاتم الانبیاء و مسجدی خاتم مساجد الانبیاء ۵۱

''میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری مسجد مساجد انبیاء کی خاتم ہے۔''

مسجد النبی کو آخر المساجد کہا گیا ہے تو اس کا مجازی معنی افضل المساجد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ وہ تمام مساجد سے افضل نہیں ہے۔ اس کی فضیلت مسجد الحرام کے بعد ہے اس لیے مسجد نبوی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے مسجد الکعبۃ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی ہے:

صلاۃ فی مسجدی ھذا خیر من ألف صلاۃ فی غیرہ من المساجد الا المسجد الحرام ۵۲

''میری اس مسجد (مسجد نبوی) میں نماز ادا کرنا مسجد حرام کے علاوہ باقی مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔''

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قادیانیوں اور مرزائیوں کا خاتم النبیین سے افضل النبیین مراد لینا مجازاً ہے جو حقیقی اور مجازی معنی مراد لینے کے مسلمہ اور متفق علیہ اصول کے خلاف ہے۔

عقل سے معنی کے تعین کا منہج

بعض عقلی تفاسیر اس بنیاد پر کی جاتی ہیں کہ لوگ اپنے مخصوص نظریات کا دفاع یا تائید کرنا چاہتے ہیں۔اس وجہ سے بعض دفعہ التفسیر العقلی نصوص کتاب وسنت کے بھی خلاف ہوتی ہے۔مثلاً اجرائے نبوت کی عقل دلیل، قادیانی/مرزائی یہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ نبوت ورسالت رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت منقطع نہیں ہوسکتی۔سید طفیل محمد شاہ احمدی لکھتے ہیں:

''اگر نبوت رحمت ہے اور محسنوں کے قریب {اِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ} ☆اور محسن کے متعلق فرمایا: {بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ}☆ا اور پھر فرمایا: {كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ}☆ب پس رحمت مومنوں کو حاصل رہے گی جب تک دنیا میں مومن اور محسن رہیں گے۔رحمت بھی خدائے تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ملتی رہے گی۔ہاں اگر دنیا میں مومن اور محسن پیدا ہونے بند ہو جائیں تو بے شک یہ رحمت بھی بند ہو جائے گی۔علماء سے پوچھو کہ امت محمدیہ اس ارحم الراحمین ☆ج کی رحمت سے کیوں محروم ہوگئی۔کون سا ایسا قصور کیا جس پر یہ عتاب نازل ہوا۔''۵۳

یہ عقلی دلیل اس لیے بھی غلط ہے کہ کسی بھی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ اللہ کی رحمت رسالت محمدی میں انقطاع واقع ہوا ہے یا ہوگا۔بلکہ آپ کی رسالت تاقیامت ہے۔رسالت کے رحمت ہونے سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امتی بھی نبی بنتے رہیں گے۔جس طرح نبوت ورسالت رحمت ہے اسی طرح نص قطعی سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن مجید رحمت ہے ۵۴ تو کیا اس بنیاد پر (مذکور بالا استدلال کی طرح) یہ دعویٰ صحیح ہوگا کہ قرآن (کلام اللہ) چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے لہٰذا امت محمدیہ کو اور قرآن بھی ملتے رہیں گے۔اس استدلال کے ساتھ پھر یہ بھی پوچھا جائے:

''علماء سے پوچھو کہ امت محمدیہ اس ارحم الراحمین کی رحمت سے کیوں محروم ہوگئی۔کون سا ایسا قصور کیا جس پر یہ عتاب نازل ہوا'' عقلِ سلیم قادیانیوں اور مرزائیوں کے مذکورہ بالا استدلال کو کبھی درست تسلیم نہیں کرسکتی۔

نصوص کتاب وسنت کو انداز کرکے جن لوگوں نے التفسیر العقلی کی ہے انہوں نے غلط رجحان اختیار کیا ہے۔البتہ تمام احکام شریعت اور روح شریعت کو مدنظر رکھ کر جن مفسرین نے عقلی تفسیر کی ہے وہ قابل قدر ہے۔اتجاہ التفسیر العقلی کی تصحیح بھی اس کے مطابق کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ بعض اوقات عقل سے تعیینِ معنی کی احتیاج محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ یہ ضرورت معانی الالفاظ کی تخصیص میں بھی پیش آتی ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔جبکہ خود ازل سے ہے اور وہ مخلوق نہیں ہے۔اس لیے عقلی دلیل سے اس کا خود کو تخلیق کرنا محال ہے۔امام آمدی {اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ } ۵۵ کی تفسیر میں کل کے عموم کے بارے میں لکھتے ہیں:

فقد خرجت ذاته وصفاته بدلالة ضرورة العقل عن عموم اللفظ ۵۶

''ضرورتِ عقلی کی دلالت سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات لفظ (کل) کے عموم سے مستثنیٰ ہو جائیں گی۔''

مرزا غلام احمد قادیانی آیت کریمہ {وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ}۵۷ کو وفات مسیح کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کا استدلال عقلی ہے کہ جب کوئی جسم خاکی بغیر بعام کے نہیں رہ سکتا تو پھر حضرت مسیح کیونکر اب تک زندہ ہیں۔قاضی سلیمان منصور پوری اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جسے بعام (غذا) کی حاجت نہ ہو۔مگر آیت میں یہ کہاں ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جو فلاں مدت تک بغیر بعام کے زندہ نہ رہ سکے۔اور جب یہ نہیں تو مرزا صاحب کے لیے یہ دلیل بھی نہیں۔مرزا صاحب کا خیال ہے کہ جو شخص ان کی

طرح ہر روز دو وقت کھانا نہ کھاتا ہو، وہ مردہ ہے۔ اگر یہی صحیح ہے تو فرنچ قوم کے نزدیک، جو دن میں آٹھ دفعہ کھاتے ہیں، کل ہندوستان مردہ ہے۔ اور جو جینی بودہ پچاس پچاس روز کا برت رکھتے ہیں مردہ در گور ہیں۔ ۵۸

یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ ہر جسم کے محتاجِ بعام ہونے کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ سب کا بعام بھی یکساں ہو۔ حتیٰ کہ اس حیاتِ ارضی میں بھی لوگوں کے بعام میں بہت تفاوت پایا جاتا ہے۔ مولانا منصور پوری لکھتے ہیں:

اسی طرح ضرور ہے کہ سفلی اور کثیف زندگی والوں کا بعام نوعیت میں اور ہو، اور علوی لطیف زندگی والوں کا بعام اور۔ ۵۹

اس کی ایک دلیل نبی اکرم ﷺ کا صوم طیٔ کے بارے میں ارشاد بھی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

انی ابیت یطعمنی ربی ویسقین ۶۰

"مجھے تو رات کو میرا رب کھلا دیتا ہے اور وہی مجھے سیراب کر دیتا ہے۔"

اھل السماء کے کھانے کے مختلف ہونے کی ایک دلیل ظہور دجال کے بارے میں ارشاد نبوی بھی ہے۔ اس دن بعام پر کنٹرول دجال کا ہوگا۔ اسماء رضی اللہ عنھا نے نبی اکرم سے دریافت کیا:

یارسول اللہ، انا واللہ لنعجن عجیننا فما نختبزھا حتی نجوع فکیف بالمؤمنین یومئذ قال یجزیھم مایجزی اھل السماء من التسبیح والتقدیس ۶۱ "یارسول اللہ بخدا ہم آٹا گوندتے ہیں پکانے تک ہمیں بھوک لگ جاتی ہے (یعنی بھوک برداشت نہیں کر سکتے) اس روز مومنین کا کیا حال ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: جس طرح آسمان پر رہنے والوں کا مایۂ حیات اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح و تقدیس ہے۔ یہی چیز اہل ایمان کو (اس روز) کفایت کرے گی۔"

یہ تسبیح و تقدس یعنی سبحان الملک القدوس کا ورد اگر اہل ایمان کو کفایت کر سکتا ہے تو مسیح علیہ السلام اہل السماء ہو کر کیونکر دنیوی غذا سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ نصوص اور قرائن و شواہد کے مقابلے میں التفسیر العقلی مقبول نہیں ہوتی۔

عقلی تفسیر وہی مقبول ہوتی ہے جو نصوص شریعت کے معارض نہ ہو۔ وہی عقلی استدلالات قابل تسلیم ہوتے ہیں جنہیں شرعی نصوص یا شواہد و قرائن کی تائید حاصل ہو۔ اس کی ایک مثال محمد شہاب الدین ندوی کے آیت کریمہ {قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ} ۶۲ کی روشنی میں پیش کیے جانے والے مندرجہ ذیل استنباطات اور استدلالات ہیں:

۱۔ آدم علیہ السلام سے پہلے زمین میں ایک قسم کی مخلوق کا وجود تھا۔

۲۔ اس مخلوق میں شر پسند افراد بھی موجود تھے جو خون ریزی کرتے تھے۔

۳۔ وہ گوشت پوست رکھنے والی یا دوسرے لفظوں میں مادی مخلوق تھی جس کی رگوں میں خون دوڑتا تھا۔ ظاہر ہے کہ بغیر گوشت پوست کے خون کا وجود نہیں ہو سکتا۔

۴۔ وہ مخلوق ہتھیار چلانا جانتی تھی جو خون ریزی کا لازمہ ہے۔

۵۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی انگلیوں کی بناوٹ انسان جیسی رہی ہوگی ورنہ ہتھیار چلانا ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ موجودہ میں انواع (Species) سوائے انسان کے اور کوئی بھی نوع ہتھیار نہیں چلا سکتی۔

۶۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود ہتھیار بنانا بھی جانتی تھی کیونکہ ہتھیار چلانے لیے ہتھیار بنانا ضروری ہے۔ ۶

۷۔ ہتھیار بنانے کیلیے چونکہ ذہانت کی ضرورت ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوئی ذہین مخلوق تھی۔

۸۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ شرعی اعتبار سے مکلف بھی رہی ہو گی جیسا کہ اس موقع پر لفظ ''فساد'' دلالت کر رہا ہے۔ اس کا مقابل لفظ ''صلاح'' ہے اور یہ الفاظ (اصلاح و فساد) شرعی اعتبار سے مکلف مخلوق ہی کے حق میں استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

۹۔ ان تمام حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا اپنا کوئی نظام تمدن بھی ضرور رہا ہو گا خواہ اس کا درجہ و مرتبہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

یہ تمام حقائق منطقی اعتبار سے بغیر کسی تاویل کے اس کے محض ایک اشارے (اشارۃ النص) و کنایات تک کی قدر و قیمت بغیر کسی تاویل کے متعین کی جا سکتی ہے۔[۶۳]

خلاصہ بحث: مذکورہ بالا مباحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ قادیانیوں نے قرآنی الفاظ کے معانی کی تعیین میں سیاق و سباق سے معنی کی تعیین، لغت عرب، فہم عرب اور عہدِ نزولِ قرآن کے معانی الالفاظ کا لحاظ اور حقیقی و مجازی معنی کی تعیین کے صحیح اصول کو بہت سے مقامات پر پیشِ نظر نہیں رکھا، نیز انہوں نے عقل سے قرآنی الفاظ کی معانی کی تعیین میں صحیح قواعد کو مد نظر نہیں رکھا۔

مصادر و مراجع اور حواشی

۱ صدر انجمن احمدیہ، سالار والا۔

☆۔المائدۃ: ۵/ ۱۱۷

۲ سید طفیل محمد شاہ احمدی، : زجاجہ (رہنمائے تبلیغ)، احمد اکیڈمی ربوہ (اس کتاب کا پہلا ایڈیشن قادیان سے شائع ہوا تھا۔)، ص: ۷۳، ۷۲

۳ المائدۃ: ۵/ ۱۱۷

۴ ایضا: ۵/ ۱۱۸

۵ ایضا: ۵/ ۱۱۹

☆المؤمن: ۴۰/۳۴

۶ زجاجہ، ص: ۱۲۹، ۱۲۸

۷ مولانا محمد حنیف ندوی، : مرزائیت نئے زاویوں سے، محمد سرور طارق (مرتب) طارق اکیڈمی، ڈی گراؤنڈ، فیصل آباد، ص: ۱۰۸

☆الاعراف: ۷/ ۳۵

۸ زجاجہ، ص: ۱۳۱، ۱۳۰

☆اٰل عمٰرن: ۳/۱۷۹

۹ زجاجہ، ص: ۱۲۹

۱۰ مرزائیت نئے زاویوں سے، ص: ۱۰۶، ۱۰۵

☆الحج: ۲۲/ ۷۵

۱۱ زجاجہ، ص: ۱۳۰

۱۲ مرزائیت نئے زاویوں سے، ص: ۱۰۲

۱۳ النمل: ۲۷/ ۱۶

۱۴ زجاجہ، ص: ۴۲۷

نوٹ: اس رائے کی ان کو اس لیے ضرورت پیش آئی کہ مرزا صاحب کی وراثت تقسیم ہوئی تھی جبکہ انبیاء کا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

۱۵ حافظ صلاح الدین یوسف، : احسن البیان، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس، مدینہ منورہ، ص: ۱۰۴۶۔۱۰۴۷

۱۶؎ صحیح بخاری، کتاب الفرائض ۸۵، باب ۳: قول النبی ﷺ : لا نورث ما ترکنا صدقۃ، ح: ۶۷۲۸، ۶۷۲۷، ۶۷۲۶، ۶۷۳۰، مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور

۱۷؎ ایضاً، ح: ۶۷۲۹

۱۸؎ یونس: ۹۸/۱۰

۱۹؎ مولانا ثناءاللہ امرتسری، : تفسیر ثنائی، ثنائی اکیڈمی، مکلورڈ روڈ، لاہور، ص: ۲۶۲

☆الاعراف: ۷/ ۱۷۶

☆ا۔ مریم: ۵۷/۱۹

☆ب۔ یوسف: ۱۲/ ۷۶

☆ج۔ النور: ۳۶/۲۴

☆د۔ فاطر: ۳۵/ ۱۰

☆ھ۔ الواقعۃ: ۳/۵۶

☆و۔ عبس: ۱۴/۸۰؛ الغاشیۃ: ۱۳/۸۸

۲۰؎ زجاجہ، ص: ۷۹

۲۱؎ النساء: ۴/ ۱۵۸

۲۲؎ الغاشیۃ: ۸۸/ ۱۳

۲۳؎ مریم: ۱۹/ ۵۷

☆مریم: ۱۹/ ۵۷

☆ا۔ البقرۃ: ۲/ ۲۵۳

۲۴؎ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، : تائید الاسلام، کریمی پریس، لاہور، ط: ۱۳۴۴ھ، ص: ۱۷

۲۵؎ النساء: ۴/ ۱۵۸

۲۶؎ اٰل عمرٰن: ۵۵/۳

۲۷؎ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی: شہادۃ القرآن، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار لاہور، ط: ۲۰۰۱، ص: ۲۹۶

۲۸؎ زجاجہ، ص: ۷۲

۲۹؎ اٰل عمرٰن: ۵۵/۳

۳۰؎ اٰل عمرٰن: ۳/ ۴۳

۳۱؎ النّٰزعٰت: ۷۹/ ۲۵

۳۲؎ البقرۃ: ۲۱/۲

۳۳؎ الملک: ۲/۶۷

۳۴؎ الزمر: ۳۹/ ۶۵

۳۵؎ بعض الفاظ قرآنیہ کی تقدیم و تاخیر کے لیے دیکھیے تائید الاسلام، ص: ۱۴۔۱۵

۳۶؎ مولانا منظور احمد چنیوٹی، : ردمرزائیت کے زرین اصول، نفیس پبلشرز، اردو بازار لاہور، ص: ۱۲۲۔۱۲۳

۳۷؎ ردمرزائیت کے زرین اصول، ص: ۱۲۳۔۱۲۴

۳۸؎ اٰل عمرٰن: ۳/ ۱۴۴

☆ الفتح: ۲۳/۴۸

۳۹؎ تائید الاسلام، ص: ۳۴

☆البقرۃ:۲/۷۶

☆ا۔فاطر:۳۵/ ۲۴

☆ب۔اٰل عمرٰن۳/ ۱۳۷

☆ج۔الفتح:۴۸/۲۳

۴۰تائیدالاسلام،ص:۳۵

۴۱ مفتی محمد تقی عثمانی،:علوم القرآن اور اصول تفسیر،مکتبہ دارالعلوم،کراچی،ص:۳۹۹

☆۔علامہ محمد اقبال،:کلیاتِ اقبال: بانگ درا،الفیصل ناشران وتاجران کتب،غزنی سٹریٹ،اردو بازار،لاہور،ط:۱۹۹۱ء،ص:۶۲

۴۲ دیکھیے زجاجہ،ص:۱۰۳۔ ۱۰۵۔

۴۳ ایضاً،ص:۱۰۹۔

☆۔یہ فرضی نام ہے۔ان کی طرف منسوب کتاب محمدیہ پاکٹ بک کو بہت سے علمائے کرام نے مرتب کیا ہے۔

۴۴ مولانا عبداللہ معمار: محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک،اشرف پریس ایبک روڈ،لاہور،ط:۳،ص:۴۹۸

۴۵ مرزائیت نئے زاویوں سے،ص: ۹۱۔

۴۶ ایضاً،ص:۹۲۔

۴۷ ایضاً،ص:۹۲۔۹۳۔

۴۸ سیدابوالاعلیٰ مودودی،:سیرت سرور عالم،ادارہ ترجمان القرآن لاہور،ط:۱۹۷۸ء،۱/۱۹۵۔۱۹۶

۴۹زجاجہ،ص:۱۰۵۔

۵۰ امام مسلم بن حجاج القشیری،:الصحیح،نور محمد اصح المطابع،کراچی،ط : ۱۹۵۶،۲ء،۱/۴۴۶

۵۱ علاءالدین علی المتقی الہندی،:کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال،مؤسسۃالرسالۃبیروت،ط:۱۹۷۹ء،۱۲/۲۷۰

۵۲ امام مسلم بن حجاج القشیری،: مختصر صحیح مسلم،حافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری(ملخص)،المکتب الاسلامی، بیروت، ط:۱۴۰۵،۵ھ/۱۹۸۵ء،ص: ۲۰۶۔

☆۔ الاعراف:۷/ ۵۶

☆ا۔البقرۃ:۲/ ۱۱۲

☆ب۔یوسف:۱۲/ ۲۲

☆ج۔ارحم الرٰحمین

۵۳ زجاجہ،ص:۹۹

۵۴ مثلاًارشاد باری تعالیٰ ہے:{یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَ ھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ} (یونس ۱۰/ ۵۷۔۵۸) ”لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا آچکی ہے۔اور وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“

{وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ}(الاسراء۱۷/ ۸۲) ”اور ہم جو قرآن نازل کر رہے ہیں وہ شفا ہے اور ایمان والوں کے لیے رحمت ہے۔“

۵۵الزمر: ۳۹/ ۶۲

۵۶ امام محمد بن علی الآمدی،:الاحکام فی اصول الاحکام،دارالکتاب العربی،بیروت،۲/ ۳۳۹

۵۷ الانبیاء:۲۱/ ۸

۵۸ تائیدالاسلام،ص: ۳۱

۵۹ ایضاً،ص:۳۳

۶۰ صحیح بخاری، کتاب الصوم ۳۰، باب التنکیل لمن اکثر الوصال ۴۹، ح: ۱۹۶۵۔۱۹۶۶، کتاب المحاربین ۸۷، باب کم التعزیر والادب ۲۹، ح: ۱۸۵۱، کتاب التمنی ۹۵، باب مایجوز من اللو ۹، ح: ۷۲۴۲، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۹۷، باب مایکرہ من التعمق ۵، ح: ۷۲۹۹، (اس آخری حوالہ میں یسقین کی بجائے یسقینی کا لفظ ہے۔ معنی ایک ہی ہے)۔ مختصر صحیح مسلم ۱/ ۱۶۰ (الفاظ بخاری کی مذکورہ بالا آخری حدیث کے مطابق ہیں) مسند احمد میں ان الفاظ میں اور اسی معنی کی تقریباً اٹھائیس احادیث ہیں مثلاً ۲/ ۳، ۲۳/ ۴، ۱۲۴/۵، ۳۱۵/۶، ۳۶۴/ ۱۲۶ وغیرہ۔ سنن الدارمی میں انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی کے الفاظ ہیں۔ (ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل بن بہرام الدارمی، سنن الدارمی، کتاب الصوم، باب النہی عن الوصال فی الصوم، دار الفکر، شارع سلیمان الحلبی، القاہرۃ، ط: ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء، ۲/ ۷۔۸)

۶۱ امام احمد بن حنبل، المسند، المکتب الاسلامی، بیروت، ۶/ ۴۵۶

۶۲ البقرہ ۲/ ۳۰

۶۳ محمد شہاب الدین ندوی، تخلیق آدم اور نظریہ ارتقاء، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی، ص: ۶۳۔۶۴